ولایت فقیہ

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

ولایت فقیہ کے موضوع پر مستقل طور پر کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ محض ضمنی طور پر—— آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین نائینی مرحوم کی کتاب ''تنبیہ الامۃ'' غالبًا اس موضوع پر لکھی جانے والی پہلی مستقل تصنیف ہے اور دوسری کتاب آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کی ہے جو حوزہ علمیہ نجف میں ان کے بارہ دروس پر مشتمل ہے۔ یہ دروس ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ تک دئے گئے تھے۔ جسے ''حکومۃ الاسلامیہ'' کے نام سے عربی میں اور'' حکومت اسلامی''یا''لایت فقیہ'' کے نام سے فارسی میں شائع کیا گیا۔

مذکورہ کتاب کی اشاعت کے کچھ ہی دنوں بعد'' جامعۃ المنتظر '' لاہور کے پرنسپل علامہ صفدر حسین نجفی نے پاکستان سے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ ہم موصوف کے ترجمے کو قارئین کی خدمات میں پیش کررہے ہیں۔(ادارہ)

مقدمہ

''ولایت فقیہ'' ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجب تصدیق بن جاتا ہے استدلال کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص عقائد واحکام اسلام کو کم از کم اجمالاً تو جانتا ہی ہے۔ جب ولایت فقیہ کا تصور کرتا ہے تو فوراً اس کی تصدیق ہو ہی جائے گی اور خود وہ سمجھ لے گا کہ یہ بدیہی اور ضروری ہے۔

آج کل ولایت فقیہ پر زیادہ توجہ نہ ہونے کی علّت مسلمانوں کی اجتماعی حالت عموماً اور حوزہ ہائے علمیہ کے خصوصاً حالات اس کے مقتضی ہیں۔ہم مسلمانوں کی اجتماعی حالت اور حوزہ ہائے علمیہ کی وضع ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں راہ اسلام کی ترقی میں کانٹا یہودی تھے۔ ابتدا ہی سے افکار اسلامی کے خلاف ان کی تبلیغات ایسی شروع ہوئی کہ جو اب تک باقی ہیں اور آپ خود بھی دیکھ رہیں ہیں۔ اس کے بعد نوبت ایک ایسے گروہ کی آئی جو یہودیوں سے بھی بدتر تھے انہوں نے تین سو سال یا کچھ زیادہ مدت سے اسلامی حکومتوں میں اپنے اثرورسوخ کا استعمال شروع کردیا۔ اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کردئے اور ایسی راہیں ہموار کرنی شروع کردیں کہ

اسلام ہی فنا ہوجائے۔ یہ گروہ لوگوں کو اسلام سے اس لئے دور نہیں کرنا چاہتا تھا کہ عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہوجائیں۔ کیونکہ درحقیقت ان کو نہ تو اسلام سے کوئی عقیدت تھی اور نہ ہی عیسائیت سے کوئی لگاؤ تھا۔ البتہ اس مدت میں اور صلیبی جنگوں کے درمیان اس بات کا ضرور احساس ہوگیا تھا کہ ان کے مادی منافع اور سیاسی اقتدار کے اثر ونفوذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اس کے احکام ہیں لہٰذا اسلام کے خلاف تبلیغات اور دسیسہ کاری شروع کردیا۔

حوزہ ہائے روحانیت کے نکلے ہوئے مبلغین یونیورسٹیوں، حکومت کے تبلیغی مشن، انتشاراتی بینک، استعماراتی حکومتوں میں کام کرنے والے مستشرقین ان سبھوں نے حقائق اسلام میں تحریف کی ہے۔ حد یہ ہے کہ نہ صرف بہت سے لوگ بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام کے حقائق سے ناواقف اور اشتباہات کے شکار ہیں۔

اسلام حق وعدالت کے خوگر مجاہدین کا دین ہے۔ حریت پسندوں کا دین ہے، استعماری قوتوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کا دین ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اسلام کا تعارف دوسری طرح سے کرایا اور اب بھی کرارہے ہیں ۔ عام انسانی ذہنوں میں اسلام کا جو ناقص اور غلط تصور پیدا کیا گیا ہے، حوزہ ہائے علمیہ میں جو ناقص تصور پیش کیا گیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی خاصیت کو اسلام سے چھین لیا جائے۔ مسلمانوں کے جذبۂ حریت وآزادی کو ختم کردیا جائے۔ ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ مسلمان ایسی حکومت نہ قائم کرنے پائیں جو ان کی سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی نہ بسر کرسکیں جو شایان شان انسان ہے، مثال کے طور پر، وہ یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام جامع دین نہیں ہے۔ اسلام زندگی کا مذہب نہیں ہے، اسلام کے پاس نظام زندگی نہیں ہے، طرز حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں۔ اسلام تو صرف حیض ونفاس کا مذہب ہے۔ کچھ اخلاقی قدریں ہیں مگر جامعہ کے ادارے اور زندگی کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی غیر واقعی تبلیغات کا اثر ہورہا ہے۔ اس وقت عام انسانوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد، بہت سے اہل علم بھی اسلام کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلام کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں۔ جس طرح لوگ کسی اجنبی مسافر کو نہیں پہنچانتے۔ اسی طرح اسلام کو بھی نہیں پہچانتے۔ اسلام دنیا میں مسافروں کی زندگی بسر کررہاہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کا صحیح تصور پیش کرنا چاہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اسلام میں یہ بھی ہوسکتا ہے؟ مگر استعمار زدہ افراد فوراً اس کے

خلاف ہنگامہ کرنے لگتے ہیں۔

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ نیز قرآن وکتب احادیث اور رسالہ ہائے عملیہ میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دستور واحکام کا سرچشمہ قرآن وحدیث اور مجتہدین کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہے۔قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں ننانوے فیصدی سے بھی زیادہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتاب کے پورے ایک دورے میں، جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور جس میں تمام احکام اسلام موجود ہیں۔صرف تین چار کتابیں عبادات اور عبدو معبود کے مابین روابط پر مشتمل ہوتی ہیں، کچھ اخلاقی احکام بھی ہوتے ہیں ورنہ باقی پورے کا پورا دورۂ حدیث اجتماعیات، اقتصادیات ،حقوق وسیاست، وتدبیر جامعہ پر مشتمل ہوتا ہے ۔آپ حضرات جوان ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے بیان کررہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنایئے اور قوانین اسلام کے پہنچوانے میں باقاعدہ کوشش فرمایئے آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً تقریراً لوگوں کو بتایئے کہ اسلام اپنے ابتدائی دور ہی سے کن مشکلات سے گزرتا رہا ہے اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حقیقت وماہیت اسلام مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق وخلق کے درمیان رابطہ کے لئے صرف چند انگلیوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے اور مسجد وکلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ولایت فقیہ:

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی وعدالت کی صفتیں پائی جائیں تشکیل حکومت کرے تو ادارۂ معاشرہ کے لئے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی، اسی ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہوگا اور تمام لوگوں پراس کی اطاعت واجب ولازم ہوگی۔ یہ خیال کہ حکومتی اختیارات حضور اکرمؐ کو حضرت علیؑ سے زیادہ تھے۔ یا حکومتی اختیارات حضرت علیؑ کے فقیہ سے زیادہ ہیں۔ باطل وغلط ہے۔ البتہ رسولؐ خدا

کے فضائل معنوی ساری دنیا سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن فضائل معنوی کی زیادتی حکومتی اختیارات کے افزائش کا سبب نہیں ہے بلکہ تعیّن حاکم واستاندار، تیاریٔ سپاہ، مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت واختیارات جو حضورؐ اکرم اور ائمہؑ معصومین کو تھے وہی اختیارات خدا نے حکومت فعلی کو بھی دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔ میری مراد عالم عادل ہے۔

ولایت اعتباری

رسولؐ خدا اور ائمہؑ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اسی ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہوجائے کہ جو مقام ائمہ معصومینؑ کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام ومنزلت سے بحث نہیں ہورہی ہے۔ بلکہ وظیفہ وعہد سے بحث ہے۔ ولایت یعنی تمام دنیا پر حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا۔ ایک سنگین اور مہم ترین وظیفہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ عہدہ پانے والا کسی غیر عادی مقام ومنزلت کا دارا ہوجاتا ہے اور انسان عادی سے بلند تر ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ عام لوگوں کے تصورات کے برخلاف ولایت وجہ امتیاز نہیں ہے بلکہ یہ عظیم عہدہ ہے۔ ولایت فقیہ امور اعتباری عقلائی میں سے ہے۔ سوائے جعل، معین کرنا۔ اور کوئی واقعیت نہیں رکھتی۔ جیسے نابالغ بچوں پر کسی نگراں کا معین کرنا (یہی ولایت مراد ہے۔ مترجم) ملت کے قیم (نگراں) اور نابالغ کے قیم میں وظیفہ وعہدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً امام کسی کو کسی تربیت کے لئے یا کسی کو کسی حکومت یا کسی منصب کے لئے معین فرمادیں تو اس میں رسولؐ وامامؑ فقیہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی فقیہ بھی یہ کام کرسکتا ہے۔ مثلاً منجملہ دیگر امور کے فقیہ حد جاری کرسکتا ہے۔ پس کیا حد جاری کرنے میں رسولؐ وامامؑ وفقیہ میں کوئی فرق ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ امام سے کم ہے لہٰذا یہ کم کوڑے لگوائے؟ زنا کی حد سو تازیانہ ہے۔ اب پیغمبرؐ ڈیڑھ سو اور حضرت علیؑ سو اور فقیہ پچاس ہی تازیانے لگوائے؟ یا یہ مقصد ہے کہ حاکم قوۃ اجرائیہ کا متصدی ہوتا ہے۔ اس لئے چاہے وہ رسولؐ ہوں یا حضرت علیؑ یا کوفہ وبصرہ میں کوئی قاضی یا حضرت کا نمائندہ یا فقیہ عصر سب ہی خدا کی معیّن کردہ حد نافذ کرسکتے ہیں فقیہ کا امامؑ ورسولؐ کے برابر ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

دوسری مثال: رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کا کام اخذ مالیات (یعنی) خمس زکوٰۃ خراج والی زمینوں سے خراج لینا تھا۔ اب رسولؐ کتنی زکوٰۃ لیں؟ مثلاً ایک جگہ سے دسواں اور دوسری جگہ سے بیسواں حصہ لیں؟ حضرت امیرؑ خلیفہ ہو کر کیا لیں گے؟ جناب عالی! اگر فقیہ نافذ الکلمہ ہو گئے تو کیا کریں گے؟ کیا یہاں پر رسول خداؐ حضرت امیرؑ، فقیہ عادل کی ولایت میں فرق ہے؟ ہر گز نہیں۔ خداوند عالم نے حضرت رسولؐ کو تمام مسلمانوں پر ''ولی'' بلکہ زندگی بھر حضرت امیرؑ پر بھی ''ولی'' قرار دیا ہے۔ رسولؐ خدا کے بعد امامؑ تمام مسلمانوں پر بلکہ اپنے بعد والے امامؑ پر بھی ولایت رکھتا ہے یعنی اس کے حکومتی اوامر سب پر نافذ ہیں۔ وہ قاضی ووالی کو معیّن کرسکتا ہے؛معزول کرسکتا ہے۔ یہی ولایت جو رسولؐ خدا اور ائمہؑ کو تشکیل حکومت کے لئے ہے فقیہ عادل کے لئے بھی ہے۔لیکن فقہاء اس معنی سے ''ولی مطلق'' نہیں ہیں کہ اپنے زمانے کے تمام فقہا پر ولایت رکھتے ہوں اور دوسرے فقہاء کو عزل ونصب کر سکتے ہوں۔(یہ حق فقیہ عادل کو نہیں ہے) یہاں مراتب ودرجات نہیں ہیں کہ ایک بالاتر مرتبہ پر فائز ہے اور دوسرا پست ترین مرتبہ پر فائز ہے۔ ایک والی ہے دوسرا والی تر ہے۔

اس وضاحت کے بعد فقہاء پر لازم ہے کہ اجتماعاً یا انفراداً سرحدوں کی حفاظت، حدود کے اجراء کے لئے شرعی حکومت کی تشکیل کریں۔ اگر کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے۔ عدم امکان کی صورت میں ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حضرات خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر زکوٰۃ، خمس، خراج ودیگر مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں صرف کرسکتے ہوں تو ایسا کرنا چاہئے۔حتیٰ کہ حد بھی جاری کرنی چاہئے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر ابھی حکومت عمومی کی تشکیل نہیں کرسکتے تو کنارے ہو جائیں۔ بلکہ مسلمان جن امور کے محتاج ہیں اور حکومت اسلامی اس کی عہدہ دار ہے اس کے لئے فقہاء جتنا بھی کرسکتے ہوں اتنا انجام دینا چاہئے۔

ولایت تکوینی

امام کے لئے ولایت وحکومت کے اثبات کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ امامؑ مقام معنوی نہ رکھتے ہوں۔ امامؑ کے لئے حکومت سے قطع نظر مقام معنوی بھی ہے جس کو زبان ائمہؑ میں کبھی خلافت کلی

الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام کے لئے خلافت تکوینی ہے جس کی وجہ سے دنیا کا ہر ذرّہ ان کا تابع فرمان ہے۔ ہمارے ضروریات مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ کوئی بھی ائمہؑ کے مقام معنویت تک نہیں پہنچ سکتا، چاہے وہ ملک مقرب یا نبی مرسل ہو۔ وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصولاً بنا پر روایات حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اس عالم سے پہلے ظلّ عرش میں بصورت انوار تھے۔ یہ حضرات انعقاد نطفہ اور طینت میں بھی تمام انسانوں سے امتیاز رکھتے ہیں اور ان کے مقامات تو الاّ ماشاء اللہ ہیں۔ چنانچہ حدیث معراج میں جبرئیل کہتے ہیں لودنوت انملة لاحترقت ۔ ایک انگل بھی اگر بڑھ آؤں تو جل جاؤں۔ اور یہ فرمان تو معلوم ہی ہے کہ معصوم فرماتے ہیں انّ لنامع اللّٰہ حالات لایسعھا ملک مقرب ولانبی مرسل۔ خدا کے ساتھ ہمارے ایسے حالات ہیں کہ جہاں تک ملک مقرب اور نبیٔ مرسل کی بھی پہنچ نہیں ہوسکتی۔ ہمارے مذہب کے اصول کا جزو ہے کہ ائمہ کے لئے حکومت ولایت سے پہلے وہ مقامات معنوی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتے۔ نیز یہ مقامات معنوی حضرت زہراؑ کے لئے بھی ہیں۔ حالانکہ وہ معصومہ نہ قاضی ہیں نہ حاکم نہ خلیفہ۔ یہ مقامات حکومت سے علیحدہ چیزیں ہیں۔ اسی لئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زہراؑ قاضی وخلفیہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کی طرح ہیں یا یہ کہ ہمارے اوپر معنوی برتری نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی کہے النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم تو اس نے حضرت کے لئے ایک ایسی بات کہی جو مومنین پر حکومت وولایت سے بالاتر ہے۔ سردست ہم اس موضوع پر بحث نہیں کررہے ہیں کیونکہ یہ دوسرے علم کا فریضہ ہے (حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کی جنس وفصل انسان کی جنس وفصل سے الگ ہے مترجم)

بلند مقاصد کے حصول کے لئے حکومت ذریعہ ووسیلہ ہے۔

حکومت میں عہدہ دار ہونا ذاتی طور پر کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ اجرائے احکام کے وظیفہ کو انجام دینا اور اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے حضرت امیر ابن عباس حکومت کے بارے میں فرماتے ہیں۔” ابن عباس ! میری اس جوتی کی کیا قیمت ہوگی؟ (چونکہ جوتی بہت بوسیدہ تھی لہٰذا) ابن عباس نے کہا۔” کچھ بھی نہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ۔” تمہاری اس حکومت کی قدر ومنزلت میرے نزدیک اس جوتی سے بھی کمتر ہے۔ البتہ اگر اس حکومت کے ذریعہ

حق (یعنی قانون و نظام اسلام) کو برقرار رکھ سکوں اور باطل (یعنی ظالمانہ وناجائز قانون ونظام) کو جڑ سے اکھاڑ سکوں (تب تو اس حکومت کی قدر ہے ورنہ کچھ نہیں، مترجم) پس حکومت وفرمانروائی صرف وسیلہ وذریعہ ہے۔ مردان خدا کے نزدیک اگر اس سے کارخیر اور بلند مقام حاصل نہ ہوسکیں تو پھر اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے'' اسی لئے نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور اس کام پر ملزم نہ کیا گیا ہوتا تو اس حکومت کو چھوڑ دیتا۔ حکومت حصول مقاصد کا ذریعہ ہے۔ خود کوئی مقام معنوی نہیں ہے۔ اگر ذاتی طور پر حکومت کوئی مقام معنوی رکھتی ہوتی تو کوئی اس کو ائمہؑ سے غصب نہیں کرسکتا تھا۔ اگر حکومت وفرمانروائی احکام الٰہی کے اجراء کا وسیلہ اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کا سبب ہوتب تو اس کی قدر وقیمت ہے اور حاکم کا مرتبہ بلند اور مقام معنوی زیادہ ہوگا۔

بعض حضرات جن کی نظروں میں دنیا ہی دنیا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت ذاتی طور پر ائمہؑ کے لئے ایک شان وبلند مقام ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے کے لئے ثابت ہوجائے تو دنیا درہم وبرہم ہوجائے۔ حالانکہ شوروی وزیر اعظم یا انگریزی یا رئیس جمہوریہ امریکہ بھی حکومت پر فائز ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ کافر ہیں۔ کافر سہی مگر حکومت ونفوذ سیاسی تو رکھتے ہیں اور اس حکومت وسیاسی اقتدار ونفوذ کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ائمہؑ وفقہاء عادل کا فریضہ ہے کہ احکام الٰہی کے اجراء اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کے لئے تشکیل حکومت کا سہارا لیں ورنہ بعض حکومت تو ان کے لئے سوائے رنج وزحمت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر یہ کیا کریں؟ انجام وظیفہ کے لئے معمور ہیں۔ ولایت فقیہ کا موضوع ماموریت اور انجام وظیفہ کے سوا کیا ہے؟۔

حکومت کے بلند مقاصد

حضرتؑ حکومت وفرمانروائی کی تصریح فرماتے ہیں کہ حکومت کا مقصد حق کو ثابت کرنا اور باطل کو نیست ونابود کرنا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں۔ خدایا: تو جانتا ہے کہ ہم نے حصول منصب وحکومت کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد مظلوموں کو ستم گاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ جس چیز نے مجھے لوگوں پر حکومت کرنے کو آمادہ کیا وہ یہ ہے کہ

''خدا نے علماء سے عہد لیا ہے اور ان کو پابند بنایا ہے کہ ستمگروں کی بہرہ مندی

و پر خوری پر اور مظلوموں کی گرسنگی پر سکوت نہ کریں۔'' دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ''پالنے والے تو جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ سیاسی قدرت کے حصول یا تمتعات دنیا کے لئے نہیں کیا ہے۔'' پھر بلا فاصلہ فرماتے ہیں۔'' بلکہ یہ صرف اس لئے تھا کہ تیرے دین کے روشن اصول کو دوبارہ واپس لائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کو ظاہر کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے بیخوف ہوجائیں اور معطل شدہ قوانین کو پھر سے جاری کریں''۔[۱]

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری صفات

جن مقاصد کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر اسلام کے انہیں بلند مقاصد کو کوئی حاکم عمل میں لانا چاہتا ہے تو اس کو ان صفات سے متصف ہونا چاہئے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔یعنی اسے عالم قوانین ہونا چاہئے۔اسی بات کی طرف حضرت علیؑ اشارہ فرماتے ہیں۔

> '' خدایا! میں پہلا آدمی ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا (رسولؐ کی زبان پر جاری ہونے والے تیرے دین کو) سنا اور قبول کیا...رسولؐ خدا کے علاوہ کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ اے لوگو! تم خوب جانتے ہو کہ نوامیس قانون وغنیمت واحکام اور مسلمانوں پر حکومت بخیل کی نہیں ہوسکتی (اسی طرح) حاکم کو جاہل (از قوانین) نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کردے گا۔ (اسی طرح) حاکم جفا کار اور سخت نہ ہونا چاہئے ورنہ اس کی جفا کی وجہ سے لوگ اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔ حاکم کو حکومتوں سے بھی نہ ڈرنا چاہئے ورنہ ایک سے دوستی اور دوسرے سے دشمنی کربیٹھے گا۔ حاکم کو قضاوت میں رشوت خوار نہ ہونا چاہئے ورنہ افراد کے حقوق کو پامال کرے گا اور حق کو حقدار تک پہنچنے نہ دے گا۔ حاکم کو سنت وقانون کو معطل کرنے والا نہ ہونا چاہئے ورنہ امت گمراہ ہوسکتی ہے۔''

توجہ فرمایئے اس روایت کے مطالب دو ہی موضوع کو بیان کررہے ہیں ۔ ایک علم دوست عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے لازمی صفت بتایا جارہا ہے ۔ولاالجاھل فیضلّھم بجھلہ علم

کی طرف متوجہ کرتاہے اور باقی عبارت عدالت کی تائید کرتی ہے ۔ عدالت واقعی یہ ہے کہ حکومتوں سے ارتباط (۲) لوگوں سے معاشرت ،عوام النّاس سے معاملت عدالت ، فیصلے ، اموال کی تقسیم میں حضرت علیؑ کا طریقہ اختیار کرے اور مالک اشتر کو لکھے ہوئے ہدایت نامہ کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اس مکتوب میں اتنی عمومیت ہے کہ اگر فقہاء والی ہوجائیں تو ان کو بھی مکتوبِ مالکِ اشتر کو اپنا دستورالعمل بنانا چاہیئے۔

احادیث سے ولایت فقیہ

فقہاء عادل رسولؐ اکرم کے جانشین ہیں۔

ایک روایت جس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں ’’رسولؐ خدا نے فرمایا۔ خدایا ! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔‘‘ اس جملہ کو تین بار تکرار کیا پوچھا گیا۔’’حضور ! آپ کے جانشین کون حضرات ہیں۔‘‘ ؟تو آپ نے فرمایا:’’میرے بعد آنے والے‘‘ میری حدیث وسنت کونقل کرنے والے اور میرے بعد اس کی لوگوں کوتعلیم دینے والے۔

شیخ صدوقؒ نے’’ جامع الاخبار‘‘،’’ عیون اخبار الرضا‘‘،’’ مجالس‘‘ میں اس روایت کو پانچ طریقہ سے جوتقریباً چار طریقہ ہوتاہے۔ کیونکہ دوطریق بعض لحاظ سے مشترک ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ایک ہی ہیں۔نقل فرمایا ہے۔ جن مقامات پر اس روایت کو مسند کیا گیا ہے ان میں سے ایک جگہ فیعلّمو نہا اور باقی مقامات پر فیعلّمو نہا النّاس ہے۔ اور جن مقامات پر اس روایت کو مرسل نقل کیا گیا ہے۔ وہاں فقط صدرروایت تو ہے لیکن ’’فیعلّمو نہا النّاس من بعدی‘‘ والا جملہ نہیں ہے۔

ا۔ میں اس روایت پر دوطرح سے بحث کروں گا۔ا۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت ہے اور فیعلّمو نہا۔... والا جملہ حدیث کے آخر میں اضافہ ہے یا یہ کہ یہ جملہ تھا مگر بعد میں نقل سے رہ گیا ۔ یہ دوسرا احتمال واقع سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتاہے کیونکہ اگر اضافہ کے قائل ہوں تو ازروئے خطایا اشتباہ افسانہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونہ روایت کئی طرح سے وارد ہوئی ہے اور حدیث کے راوی ایک دوسرے سے بہت دور زندگی بسر کر تے تھے ۔ ایک بلخ میں دوسرا نیشاپور میں تیسرا کسی اور جگہ (مرو) رہتا تھا۔ اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ جان بوجھ کر یہ جملہ زیادہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی عقلاً بعید ہے کہ چند ایسے افراد جو ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوں ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی جملہ کے اضافہ کی بات

آئی ہو۔ لہٰذا اگر ایک ہی روایت ہے تو ہم کو یقین ہے فیعلّمو نہا والا جملہ صدوقؒ کی نقل میں ساقط ہوگیا ہے، یا تو لکھنے والے لکھنے سے رہ گئے یا پھر صدوقؒ نے اس جملہ کو ذکر میں فرمایا۔ ۲؎

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں ایک فیعلّمو نہا... والا جملہ رہاہو اور دوسرے میں نہ رہاہو۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ جملہ حدیث میں تھا تو اس حدیث کے مصداق وہ حضرات ہرگز نہیں ہوسکتے جن کا مشغلہ صرف نقل حدیث تھا اور از خود کوئی رائے یا فتویٰ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث کے مصداق وہ محدثین بھی نہیں ہوسکتے جو حدیث فہم نہیں تھے اور اس مشہور مقولے "ربّ حامل فقه ليس بفقيه" کے مصداق تھے (یعنی بہت سے حامل فقہ فقیہ نہیں ہیں) یعنی وہ حضرات جو احادیث کو ضبط کرتے تھے اور اخبار وروایات کو حاصل کرکے تحریر کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے، ان کو بھی خلیفۂ رسولؐ اور علوم اسلامی کا معلم نہیں کہاجاسکتا اور نہ یہ لوگ حدیث کے مصداق ہیں۔ البتہ ان کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت قیمتی ہیں اور ان میں بہت سے فقیہ اور صاحب رائے بھی تھے۔ مثلاً کلینیؒ، صدوق، صدوق کے والد، یہ حضرات فقیہ تھے اور احکام وعلوم اسلام کی لوگوں کوتعلیم دیتے تھے۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب شیخ صدوق اور شیخ مفیدؒ میں فرق تھا۔ یہ نہیں ہے کہ صدوقؒ فقیہ نہیں تھے یا ان کی فقاہت شیخ مفید سے کم تھی کیونکہ شیخ صدوقؒ ہی وہ ہیں جنہوں نے ایک ہی نشست میں مذہب کے تمام اصول وفروع بیان فرمادئے تھے۔ بس شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ اور ان جیسے دیگر مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ شیخ مفید وغیرہ ایسے فقہاء میں تھے جو روایات واخبار میں اپنی نظر وفکر کو دخل دیتے تھے اور صدوقؒ ان فقہاء میں تھے جو اپنی نظر کو دخل نہیں دیتے تھے یا کم دخل دیتے تھے۔

یہ حدیث ان علماء کو شامل ہے جو علوم اسلام کو نشر اور احکام اسلام کو بیان کرتے ہیں اور ایسے صالح افراد کی تربیت کرتے ہیں جو دوسروں کوتعلیم دیں۔ جیسا کہ حضور اکرم اور ائمہؑ نشروبسط احکام اسلام فرمایا کرتے تھے۔ حوزۂ درس رکھتے تھے اور ان حضرات کے مکاتب میں ہزاروں افراد علمی استفادہ کرتے تھے اور جو لوگوں کوتعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ یعلّمو نہا النّاس کا یہی مطلب ہے۔ اسلام کا تمام دنیا کے لئے ہونا واضحات میں سے ہے۔ مسلمانوں پر اور خصوصاً علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ احکام اسلام کو تمام دنیا میں معرفی کرائیں اور اگر ہم قائل ہوجائیں کہ جملہ یعلّمو نہا النّاس... حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ پیغمبرؐ اسلام کے اس فرمان کا کیا مطلب

ہے؟ اور اس صورت میں بھی یہ حدیث ان راویوں کو جو فقیہ نہ ہوں شامل نہ ہوگی۔ کیونکہ سنن الٰہی چونکہ پیغمبرؐ کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کو سنن رسولؐ بھی کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی سنن رسولؐ کو نشر کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام سنن واحکام الٰہی کا عالم ہونا چاہئے۔ صحیح وغیر صحیح میں فرق کرسکتا ہو۔ اطلاق تقیید، عام وخاص جمع عقلائی کی طرف ملتفت بھی ہو۔ عالم تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دے سکتا ہو اور اس کے لئے جو میزان معین کی گئی ہے اس کو جانتا ہو(جب ہی وہ احکام الٰہی کو نشر کرسکتا ہے، مترجم) اب جو محدثین مرتبۂ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں اور صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور ان امور کو نہیں جانتے اور رسولؐ خدا کی سنت واقعی کو مشخص ومعین کرسکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی رسولؐ خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مراد ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پیغمبرؐ فقط قال رسول اللّٰہ اورعن رسول اللّٰہ۔ چاہے وہ جھوٹ ہی ہو۔کو نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگوں میں مشہور ہوجائے بلکہ حضرت کی مراد سنت واقعی اور اسلام کے حقیقی احکام کو نشر کرنا ہے۔ من حفظ علی امّتی اربعین حدیثا حشرہ اللّٰہ فقیھا۔ جو میری امت میں سے چالیس حدیثیں یادکرلے خدا اس کو فقیہ محشور کرے گا۔ یہ اور اس قسم کی روایتیں جو نشر احادیث کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان سے قطعاً وہ محدثین نہیں مراد ہیں جو حدیث کے معنی ہی نہیں سمجھتے کہ حدیث یعنی چہ؟ بلکہ اس سے وہ افراد مراد ہیں جو رسولؐ کی حدیث کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق تشخیص دے سکیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی مجتہد وفقیہ نہ ہو اور احکام کے تمام قضا یا وجوانب کو پرکھ نہ سکتا ہو اور ائمہؑ معصومین کے بتائے ہوئے اصولوں سے اسلام کے واقعی احکام کو سمجھ نہ سکتا ہو۔ ایسے افراد رسولؐ اللہ کے خلیفہ ہیں جو احکام الٰہی کو اور علوم اسلامی کو لوگوں کے درمیان نشر کرتے ہیں اور انہیں کے بارے میں حضرتؐ نے دعا فرمائی ہے کہ اللّٰھم ارحم خلفائی۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اللّٰھم ارحم خلفائی والی حدیث کی کتابت کرنے والوں کے لئے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ رسولؐ خدا کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے مراد فقہائے اسلام ہیں۔ نشر احکام اور لوگوں کی تعلیم وتربیت فقہاء عادل سے متعلق ہے۔ کیونکہ فقہاء اگر عادل نہ ہوں گے تو سمرہ بن جندب، اس نے حضرت علیؑ کے خلاف روایت جعل کی ہے۔ کی طرح اسلام کے خلاف روایتیں جعل کریں گے اور اگر فقیہ نہ ہوں گے تو وہ فقہ واحکام اسلام کو نہیں سمجھیں گے اور ممکن ہے کہ درباری ملاؤں کی طرح درباری ملاؤں نے بادشاہوں کی تعریف میں حدیثیں جعل کی ہیں۔

غلط سلط حدیثیں نشر کرنے لگیں جیسا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ دو خفیف حدیثوں کو لے کر ان لوگوں نے کتنا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ان کو قرآن، جو سلاطین کی مخالفت کا حکم دیتا ہے جس نے موسیٰ کو بادشاہوں کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ہے ۔ ظالموں اور دین میں تصرف کرنے والوں کے خلاف جو احادیث ہیں کاہلوں نے ان کو چھوڑ کر ضعیف روایتوں—— جن کو شاید بادشاہوں کے واعظین نے جعل کیا ہے-- کا سہارا لیا ہے کہ بادشاہوں سے بگاڑنا نہیں چاہئے اور درباری ہونا چاہئے۔ اگر یہ لوگ واقعی دین شناس اور اہل روایت ہیں تو ان بہت سی روایات پر عمل کریں جو ظالمین کے خلاف آئی ہیں۔ اگر یہ اہل روایت ہوں بھی تو عادل نہیں ہیں۔ اسی لئے اتنی زیادہ روایات سے چشم پوشی کرکے دو ضعیف روایت سے چپکے ہوئے ہیں۔ یہ حبّ جاہ و شکم پروری ہے جس نے انسان کو درباری بنا رکھا ہے ۔ تقاضائے علم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بہر حال علوم اسلام کا نشر فقہائے عادل سے متعلق ہے جو احکام واقعی وغیر واقعی کو، عالم تقیہ کی روایات کو دوسرے سے تمیز دے سکیں۔ چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہؑ بعض اوقات حکم واقعی کے بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہوتے تھے، حکام جور کے اسیر تھے۔ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس لئے حکم واقعی ہمیشہ نہیں بیان کر سکتے تھے۔ البتہ مذہب کے خوف سے ائمہؑ کا تقیہ ہوا کرتا تھا کہ اگر تقیہ نہ کریں تو حکام جور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ ائمہؑ نے اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں فرمایا۔

ولایت فقیہ پر حدیث کی دلالت واضح ہے۔کہ کیونکہ خلافت تمام شؤن نبوت میں جانشینیٔ کامل ہے۔ جملہ اللّٰھم ارحم خلفائی کی دلالت علی خلیفتی سے کم نہیں ہے دونوں جملوں میں خلافت کے ایک ہی معنی ہیں اور الّذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی والے جملے سے خلفاء کو پہچنوایا گیا۔ خلافت کو نہیں پہچنوایا گیا۔ کیونکہ صدر اسلام میں خلافت کے معنی سب ہی کو معلوم تھے۔ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی اور خود سائل نے بھی خلافت کے معنی نہیں پوچھے تھے۔ بلکہ خلفاء کو معلوم کیا تھا۔تعجب اس پر ہے کہ علی خلیفتی یا الائمہ خلفائی نے مسئلہ کوئی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ائمہؑ کی خلافت وحکومت پر استدلال کیا ہے۔مگر جملہ خلفائی پر لوگوں نے توقف کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت رسولؐ ایک خاص حد تک محدود ہے یا مخصوص اشخاص تک محدود ہے اور چونکہ سارے ائمہؑ خلیفہ ہیں اس لئے ان کے بعد علماء فرمانروا وحاکم وخلیفہ نہیں ہوسکتے اور اسلام کو بے سرپرست رہنا چاہئے، احکام معطل رہیں سرحدوں پر دشمنوں کا قبضہ رہے

اور ساری ایسی غلط باتیں ہوتی رہیں، کہ جن سے اسلام کا دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد، عن ابن محبوب، عن علی ابن حمزہ ، قال! سمعت ابالحسن موسیٰ ابن جعفر علیہما السّلام یقول: اذامات المومن بکت علیہ الملائکۃ وبقاع الارض الّتی کان یعبد اللّٰہ علیہا ، وابواب السّماء الّتی کان یصعہ فیہا باعمالہ وثلم فی الاسلام وثلمۃ لایسدّھا شیئی لانّ المومنین الفقہاء حصون الاسلام کحصن سور المدینۃ لہا...۳؎

راوی کہتا ہے میں نے امام موسیٰ ابن جعفرؑ سے سنا: آپ فرمارہے تھے۔ جب کوئی مومن (یا فقیہ مومن) مرجاتا ہے تو اس پر فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر خدا کی عبادت کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے (یہ سب کے سب) اس پر گریہ کرتے ہیں) اور قلعہ اسلام میں ایسا شگاف پڑجاتا ہے جسے دنیا کی کوئی شئے پُر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ فقہاء مومن اسلام کے قلعے ہیں۔ جیسے سور مدینہ کے قلعے مدینہ کے لئے۔'' کافی'' کے اسی باب میں ایک دوسری روایت ہے جس میں اذامات المومن کے بجائے اذامات المومن الفقیہ ہے۔ لیکن پہلی روایت کے ابتدائی حصہ میں فقیہ کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ آخری حصہ میں المومنین الفقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فقیہ شروع میں رہ گیا۔ اور ثلم فی الاسلام ، حصن اور اس قسم کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ کی لفظ رہ گئی ہے۔ کیونکہ یہ سب فقہاء سے مناسبت رکھتے ہیں۔

مفہوم روایت

مومنین فقہاء اسلام کے قلعے ہیں۔ اس جملے سے معصومؑ فقہاء کو مامور فرمارہے ہیں کہ وہ نگہبان رہیں، عقائد احکام اور نظام اسلام کی نگرانی کریں۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ نے تکلفاً یہ بات نہیں فرمائی ہے۔ یہ اس قسم کے تکلفات نہیں ہیں کہ جیسے ہم لوگوں میں آپس میں مرسوم ہیں کہ میں آپ کو شریعت مدار کہوں، آپ مجھے شریعت مدار کہیں۔ یا لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں'' حضرت مستطاب حجۃ الاسلام''۔ اگر کوئی فقیہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائے۔ کسی معاملہ میں دخل نہ دے، قوانین اسلام کی حفاظت نہ کرتے، احکام اسلام کو نشر نہ کرے، مسلمانوں کے امور اجتماعی میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور نہ مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرے۔ تو کیا ایسے فقیہ کو'' حصن الاسلام'' کہا جاسکتا ہے؟ کیا وہ حافظ

اسلام ہے؟ اگر رئیس حکومت کسی منصب دار یا سردار کو حکم دے کہ جا کر فلاں حصہ کی نگرانی کروتو کیا اس کا فریضہ یہ ہے کہ گھر جا کر سورہے تا کہ دشمن آ کر اس حصہ کو غارت کردے یا اس کا فریضہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس حصہ کی حفاظت کرے۔

اگر آپ فرمائیں کہ ہم بعض احکام اسلام کی حفاظت کرتے ہیں تو میں آپ سے سوال کروں گا۔ کیا آپ نے حدود جاری فرمائے؟ جی نہیں۔ یہاں پر شگاف ہوگیا۔ آپ جس کی نگرانی کرتے تھے اسی دیوار کا ایک حصہ خراب ہوگیا۔ کیا آپ مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی کی تمام زمینوں کی حفاظت فرماتے ہیں؟ جی نہیں۔ ہم تو دعا گو ہیں۔ لیجئے دیوار کا دوسرا حصہ بھی برباد ہوگیا۔ کیا آپ مالداروں سے فقراء کے حقوق لے کر فقراء تک پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی فریضہ ہے مالداروں سے لے کر غرباء تک پہنچایئے۔ جی نہیں۔ اہم تو یہ نہیں کرتے۔ دوسرے لوگ انجام دیتے ہوں گے۔ لیجئے دیوار کا ایک حصہ اور برباد ہوگیا۔ آپ کی مثال شاہ سلطان حسین اور اصفہان کی ہوگئی۔ بھلا یہ کونسا قلعہ ہوا کہ جو اس گوشہ کے لئے آقائی'' حصن الاسلام'' سے سوال کرتا ہوں جواب نفی میں آتا ہے۔ کیا'' حصن'' کے یہی معنی ہیں؟

فقہاء کا'' اسلام کے قلعہ'' ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ حفاظت اسلام کے لئے مکلّف ہیں۔ ان کو ایسے طریقے اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے اسلام کی حفاظت ہوسکے اور یہ اہم ترین واجب ہے۔ بلکہ واجب مطلق ہے۔ واجب مشروط نہیں۔ حوزہ ہائے دینی کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے کو ایسے لوازم وتشکیلات سے آراستہ کرلینا چاہیے جس سے اسلام کی نگہبانی ہوسکے۔ جس طرح خود حضور اکرم عقائد واحکام کے تمام معنی میں حافظ تھے لیکن ہم لوگوں نے سارے احکام کو چھوڑ کر بعض احکام کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بزرگوں سے یہی رسم چلی آرہی ہے۔ عالم یہ ہوگیا ہے کہ بہت سے احکام اسلام علوم عزبیہ کے جزء ہوگئے ہیں۔ واقعی اسلام غریب ہے اور فقط اس کا نام باقی ہے۔ جزائیات اسلام جو بہترین جزائی قانون بن کر انسان کے لئے آئے ہیں۔ اس وقت بالکلیہ فراموش ہوگئے ہیں۔ جزائیات وحدود کی آیات صرف تلاوت میں باقی ہیں۔ ہم تو یہ پڑھتے ہیں۔ الزّانیۃ والزّانی فاجلدوا کلّ واحد منھما مائۃ جلدہ (زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو) مگر یہ صرف تلاوت تک محدود ہے۔ ہماری کوشش یہ رہتی ہے کہ صحیح مخرج سے ادا ہوجائے مگر کیا ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔ اب اسلامی معاشرے کا کیا عالم ہوگیا ہے....فحشاء ومنکر کا کتنا رواج ہو چکا ہے۔ حکومتیں بدکاروں کی کس

قدر پشت پناہی کرتی ہیں۔ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس گویا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ زانی و زانیہ کی کیا سزا ہے؟ اس کا علم ضروری ہے۔لیکن اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ہمیں اس سے کیا سروکار؟

''میں آپ سے پوچھتا ہوں ۔ کیا رسولؐ اسی طرح قرآن کی تلاوت کر کے اسے ایک گوشہ میں رکھ دیتے تھے؟ حدود و قانون کے اجراء کی کوئی فکر نہیں کرتے تھے؟ کیا خلفاء رسولؐ مسائل لوگوں کو بتا کے فرمادیا کرتے تھے۔ بس اب ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا اس کے برخلاف حدود معین تھے۔ کوڑے لگائے جاتے تھے، رجم کیا جاتا تھا، جس دوام کی سزا ہوتی تھی، شہر بدر کیے جاتے تھے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا اسلام انہیں چیزوں کے لئے آیا تھا ۔ اسلام معاشرہ کے اصلاح کے لئے آیا تھا ۔حکومت اور امامت اعتباری انہیں چیزوں کے لئے ہے۔ اسلام کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ یہ تو نماز روزہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسی کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اسی لئے تو قربانی دی تھی۔ کیا حسینؑ کے خون سے زیادہ دنیا میں کسی کا خون اہم ہے؟ ہمیں خود بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے اور دوسروں کو بھی بتانا چاہیے۔ آپ خلفائے اسلام اسی وقت ہوں گے جب لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ یہ مت کہئے چھوڑو! امام زمانؑ جب آئیں گے تو یہ سب ہوگا کیا آپ نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امام زمانؑ آئیں گے تو پڑھی جائے گی؟ حفاظت اسلام نماز سے زیادہ اہم ہے۔خمین کے حاکم والی منطق نہ چلائیے کہ خوب گناہ کرو تا کہ امام زمانؑ کا ظہور جلد از جلد ہو جائے۔ اگر گناہوں کی کثرت نہ ہوگی تو امام تشریف نہ لائیں گے۔ یہ غلط منطق ہے۔ یہاں بیٹھ کر صرف مباحثہ سے کام نہیں چلے گا ۔ بلکہ تمام اسلام کا مطالعہ کیجئے، حقائق کو نشر کیجئے۔ رسالے و کتابیں لکھ کر منتشر کیجئے۔ اس کا اثر ہوگا، میرا تجربہ ہے کہ اثر ہوتا ہے۔

"علی عن ابیہ، عن النّوفلی، عن السکونی، عن ابی عبد اللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہؐ الفقہاء امناء الرّسل مالم یدخلوا فی الدّنیا قیل یا رسول اللّٰہ وما دخولہم فی الدّنیا؟ قال اتّباع السّلطان فاذا فعلوا ذلک فاحذروھم علی دینکم"[۴۲] رسولؐ اکرم فرماتے ہیں۔'' فقہاء جب تک دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ امین اور انبیاء کے مورد اعتماد ہیں۔ پوچھا گیا ۔ دنیا کے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا'' بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ اگر ایسا ہو جائے تو ان سے اپنے دین کے لئے ڈرو۔''

اس روایت کے تمام پہلوؤں پر نظر بحث کے طولانی ہونے کا سبب بن جائے گی۔ اس لئے صرف ایک جملہ الفقہاء امناء الرّسل جو ولایت فقیہ سے متعلق ہے، کے بارے میں گفتگو کروں گا پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ انبیاء کے وظائف واختیارات کیا ہوتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہوجائے کہ فقہاء کے امانت دار اور مورد اعتماد انبیاء ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور ان کے کیا فرائض ہیں؟

غرض بعثت انبیاء

بدیہی بات ہے کہ بعثت انبیاء کا مطلب صرف مسئلہ گوئی نہیں تھا۔ایسا نہیں ہے کہ مسئلہ واحکام بذریعہ وحی اسلام کے پاس آئے ہوں اور حضرت رسولؐ خدا اور جناب امیرؑ ودیگر ائمہ علیہم السلام صرف مسئلہ گو، رہے ہوں کہ خدانے ان حضرات کو اس بات پر معین کیا تھا کہ بغیر کسی خیانت کے مسائل واحکام لوگوں تک پہنچادیں اور یہ حضرات بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالہ کردیں تاکہ یہ حضرات انبیاء سے لی ہوئی امانت بغیر خیانت لوگوں تک پہنچادیں اور الفقہاء امناء الرسل کا مطلب صرف مسئلہ گوئی میں امین ہوتا رہے۔ بلکہ انبیاء کا اہم ترین فریضہ ایک اجتماعی وعادلانہ نظام کا قائم کرنا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ بیان احکام ونشر تعالیم وعقائد الٰہی ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ولقد ارسلنارسلنا بالبیّنات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط، واضح ہے بطور کلی بعثت انبیاء کا مقصد لوگوں کو عادلانہ اجتماعی روابط کی بنیاد پر منظّم کرنا ہے اور یہ بات تشکیل حکومت واجرائے قانون سے حاصل ہوتی ہے۔خواہ خود نبیؐ ۔جیسے ہمارے پیغمبرؐ تشکیل حکومت کا موفق ہویا اس کے پیروکار اس فریضہ کوانجام دیں۔

خمس کے سلسلے میں ارشاد ہے۔ واعلموا انّماغنمتم من شیءٍ فانّ للّٰہ خمسہٗ وللرّسول ولذی القربیٰ ۔ یازکوٰۃ کے لئے ارشاد ہے خذمن اموالھم صدقۃ یا خراجات کے کے لئے دستور معین کیا ہے ۔ان سب چیزوں کا مطلب فقط یہی نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے احکام بیان کردیں بلکہ ان کے اجراء کے لئے بھی پابند کیا ہے۔ جس طرح لوگوں میں نشر کرنا فریضہ ہے کہ خمس وزکوٰۃ وغیرہ لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرے، لوگوں میں عدالت قائم کرے۔ سرحدوں کی حفاظت اور حدود کا اجراء کرے، کسی کو حکومت اسلامی کے مالیات پر بیجا تصرف نہ کرنے دے۔

یہ جو خداوند عالم نے ”أطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرّسول واولی الامر منکم“ کے ذریعے پیغمبرؐ کو رئیس بنا کر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ مسئلہ بیان کریں تو ہم اس کو قبول کرلیں اور اس پر عمل کریں۔ احکام پر عمل کرنا تو اطاعت خدا ہے ہی بلکہ تمام عبادی وغیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ سب اطاعت خدا ہیں۔ رسولؐ کی متابعت، احکام پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مطلب ہے (ہاں ایک لحاظ سے رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خدا نے خود ہی اپنے پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے) مثلاً اگر رسولؐ تمام لشکر کو اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کریں تو یہ حکم خدا نہیں بلکہ حکم رسولؐ ہے۔ اس لئے کہ خدا نے حکومت ان کے سپرد کردی ہے۔ اور حضرت بھی مصالح کی خاطر فوج روانہ کررہے ہیں۔ والی، حاکم، قاضی معین کریں یا کسی کو کو معزول کریں تو حکم رسولؐ ہی ہوگا۔ حکومت اجرائے قوانین معاشرہ کا ادارہ، ملک کا دفاع، قضاوت وغیرہ میں فقہاء پیغمبرؐ اسلام کے محل اعتماد ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں فقہاء عادل اس کی انجام دہی کے لئے مامور ہیں۔ اگرچہ عدالت امانت سے اعم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے ایک شخص امور مالی میں امین ہونے کے باوجود عادل نہ ہو مگر حضور اکرمؐ کی مراد امناء الرسول سے وہی حضرات ہیں جو کسی حکم کی مخالفت نہ کریں، پاک ومنزہ ہوں جیسا کہ حدیث کے آخر میں خود ہی فرمایا ہے کہ جب تک مطامع دنیا میں دخیل نہ ہوجائیں۔ پس اگر کوئی فقیہ مال دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے تو وہ عادل نہیں ہے۔ اور نہ رسولؐ اکرم کا امین ہے صرف فقہاء عادل احکام اسلام کو جاری کرسکتے ہیں، اس کے نظام کو معین کرسکتے ہیں، حدود وقصاص کو جاری کرسکتے ہیں، مسلمانوں کے تمام وطن ارضی کی نگرانی کرسکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خمس، زکوٰۃ صدقات، جزیہ، خراج کی تحصیل اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرنے سے لے کر اجراء وقصاص تک جو حاکم کے زیر نگرانی ہوحتیٰ کہ ولی مقتول بھی بغیر حاکم کی نظارت عمل نہیں کرسکتا۔ تمام وہ قوانین جو عہدۂ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ”سرحد کی حفاظت، شہر کا انتظام“ یہ سب کے سب فقہاء کے ذمّہ ہے۔

جس طرح پیغمبرؐ اجرائے احکام اور برقراریٔ نظام اسلام پر مامور تھے اور خدا نے ان کو حاکم ورئیس معین کرکے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی اسی طرح فقہاء عادل بھی رئیس وحاکم ہیں۔ ان کو بھی اجرائے احکام کرنا چاہیئے، اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھنا چاہیئے۔

قانونی حکومت

چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے اس لئے قانون شناس بلکہ دین شناس فقہاء ہی کو اس کا متصدی ہونا چاہیے۔ فقہاء ہی کو ملک کے اداری و اجرائی امور کے نگراں ہونا چاہئے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجراء اخذ مالیات، سرحدوں کی حفاظت، اجراء حدود کے امین ہیں۔ انہیں قانون اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی وزیادتی نہ ہونے دینا چاہیے۔ اگر فقیہ زانی کو حد لگانا چاہئے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانہ لگائے۔ ایک تازیانہ کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔ نہ ایک طمانچہ مارسکتا ہے نہ حبس دوام کی سزا دے سکتا ہے۔" بس جو حکم شریعت ہے اسی پر عمل کو محدود رکھے۔" اسی طرح اخذ مالیات میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے، ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیت المال میں ہرج مرج نہ ہونے دے کہ ایک پائی کا بھی نقصان ہوسکے۔ اگر نعوذ باللہ۔ فقیہ خلاف اسلامی امور کا مرتکب ہوجائے مثلاً فاسق ہوجائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہوجائے گا کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔

حوالے:

۱۔ بیعت عمومی کے بعد مسجد مدینہ میں حضرت نے جو پہلی تقریر فرمائی تھی کہ میں نے حکومت کیوں قبول کی۔ اس خطبہ کا ایک حصہ یہاں پر نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲

۲۔"وسائل الشیعہ" کے کتاب قضا، ابواب صفات قاضی، باب ۸، حدیث ۵۰ نیز باب ۱۱، حدیث میں مرسل ذکر ہے۔" معانی الاخبار" و"مجالس" میں مختلف سندوں سے نقل ہے جن میں بعض راوی مشترک ہیں۔ "عیون" میں متن بالکل مختلف طریقہ سے نقل ہے۔ اور یہ سب ایک دوسرے سے مختلف جگہ پر رہتے تھے۔ کوئی مرو میں کوئی بلخ میں کوئی نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔

۳۔"کافی"۔ کتاب فضل العلم۔ باب فقہ العلماء۔ حدیث سوم

۴۔ کتاب کافی، کتاب فضل علم، باب ۱۳، حدیث ۵۔ یہ منجملہ ان روایات کے ہے جس کو نراقی مرحوم نے ذکر کیا ہے، نوری مرحوم نے"مستدرک الوسائل" ابواب ما یکتسب بہ باب ۳۸ روایت ۸ کتاب نوادر راوندی سے بسند صحیح از امام ہفتمؑ نقل کیا ہے۔ نیز ابواب صفت قاضی، باب ۱۱ حدیث ۵، کتاب "دعائم الاسلام" سے بحوالہ امام ششمؑ نقل کیا ہے" کافی" میں بھی ایک روایت اس مضمون کی ہے۔ امام ششمؑ نے فرمایا علماء امین ہیں، متقی قلعے ہیں، انبیاء رہبر ہیں ۱۲۔

☆☆☆